کعبہ سے کربلا تک

پروفیسر جناب ذوالفقار حسنین صاحب

اس عنوان سے جناب ساحرؔ لکھنوی کا یہ تاریخی مرثیہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ساحرؔ صاحب سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ البتہ ان کی زبان سے لاہور میں ایک مرثیہ سن چکا ہوں جس سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں جناب ذاخرؔ مرحوم فاخرؔ مرحوم اور فضلؔ نقوی مرحوم کے کلام سے مستفیض ہوتا رہا ہوں۔ اور جب مجھے معلوم ہوا کہ ساحرؔ صاحب اسی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں تو میرے شوق نے زیرِ نظر مرثیے کو غور سے پڑھنے کی ترغیب دی۔

زیرِ نظر مرثیہ ۱۰۸ر بند پر مشتمل ہے۔ ہر لفظ، ہر مصرع اور ہر بند ایک دوسرے سے یوں منسلک ہے جیسے آسمان کے ستارے یا سمندر کی لہریں۔

کہنے کو یہ جدید دور کا مرثیہ ہے لیکن اس کا تمام تر ڈھانچہ قدیم طرز پر تیار کیا گیا ہے۔ ہمارے قدیم مرثیوں میں تاریخ اور جزئیات نگاری پر بہت زور دیا گیا ہے۔ واقعہ کربلا عالمی تاریخ کا ایک اہم جزو ہے۔ اس لئے قدیم مرثیہ نگار ہو یا جدید اس اہم جزو سے نہ انکار کر سکتا ہے اور نہ کنارہ کش ہو سکتا ہے۔ پھر واقعۂ کربلا میں اتنے چھوٹے چھوٹے واقعات جمع ہو گئے ہیں کہ ابھی تک نظم تو الگ رہی نثر بھی ان کا احاطہ نہیں کر سکی اسی طرح جزئیات نگاری میں انیسؔ نے ایسا کمال دکھایا ہے کہ انہیں شہنشاہِ جزئیات نگاری تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

ساحرؔ لکھنوی نے اپنے اس مرثیے میں تاریخ ام القریٰ بیان کرتے ہوئے کعبہ اور نواحِ کعبہ کے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے عام طور سے شاعر اپنے فنِ شاعری کو بھول کر سپاٹ لہجہ اختیار کر لیتا ہے جس سے طبیعت منغض ہو جاتی ہے لیکن ساحرؔ لکھنوی نے اس موقع پر بھی اپنے شاعرانہ منصب کا خیال رکھا ہے اور مرثیے کو نہ سپاٹ ہونے دیا، نہ دلچسپی میں کمی آنے دی۔ مثلاً

نظر اٹھی تو نظر آئی جنتِ ارضی
حریمِ ناز تھا چاروں طرف کہ مسجد تھی
وہ فرش جیسے ہو شفاف چاندنی سی بچھی!
وہ بیچ صحن میں کعبے کی جلوہ سامانی
مثال آپ ہے وہ عالمِ مثالی میں
سیاہ موتی ہو جیسے سفید تھالی میں

کعبے کے تذکرہ نگاروں نے اس کے گرد و نواح کی ایک ایک انچ کی تاریخی حیثیت بیان کر کے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ لیکن مرثیہ نگار چونکہ کربلائی مزاج رکھتا ہے۔ اس لئے وہ فقط ان مقامات کا تذکرہ کرتا ہے جو اس کے مسلکِ مرثیہ نگاری سے ہم آہنگ ہوں۔ ساحرؔ لکھنوی اس راز سے بخوبی واقف ہیں۔ ذیل کے بند میں دیکھئے کس خوب صورتی سے کعبے کا تذکرہ کیا ہے کہ اس تذکرے سے ان کے مرثیے کو مرثیت کا لافانی نکتہ حاصل ہو گیا۔

اسی جگہ مرے مولا امامؑ ہر دوسرا
جنابِ سید سجادؑ کرتے تھے گریہ
پکڑ کے کعبے کا پردہ جو مانگتے تھے دعا
ملک بھی دیتے تھے آمین کی فلک سے صدا
یہی تھیں شمعِ ہدایت، یہی وظیفہ بھی
انہی دعاؤں سے کامل ہوا صحیفہ بھی

مرثیے میں ایسے خشک مضامین سے عہدہ برا ہونا کوئی آسان کام نہیں۔لیکن ساحرؔ لکھنوی نے زبان کی چاشنی اور بیان کی تری سے خشکی کے اثرات زائل کر کے گلستانِ نظر بنا دیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساحرؔ صاحب نے اپنے مرثیے کے پلاٹ میں تین اہم جز ور کھے ہیں:

۱۔ کعبے کی تاریخی حیثیت کا تذکرہ۔

۲۔امام حسینؑ کا کعبے سے کربلا کا سفر۔

۳۔جناب عونؑ ومحمدؑ کی شہادت۔

کعبہ اور نواحِ کعبہ کی جزئیات نگاری میں انہوں نے جو شاعرانہ چابک دستی کا ثبوت دیا ہے وہ سفر امامؑ میں نظر نہیں آتی۔ شاید انہیں احساس ہو گیا کہ اگر وہ پہلی سی روش اختیار کریں گے تو مرثیہ طویل سے طویل تر[1] ہو جائے گا۔اسی لئے انہوں نے پلاٹ کے دوسرے حصے میں جزئیات نگاری ترک کر کے اجمال نگاری کی روش اختیار کی۔ اس روش سے ان کی رواں دواں نسیم سحری گھٹن کا شکار ہو گئی اور سامعین کو احساس ہو گیا کہ مرثیہ نگار جلد بازی[2] میں قطعِ مسافت کرتا ہوا کربلا پہنچنا چاہتا ہے۔ اگر مرثیہ ڈرامے کی کوئی شکل ہے تو شاعر کو اس اہم نکتے کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ تاریخ نگاری کا ذکر آ گیا ہے تو کہتا چلوں کہ جب حسینی قافلہ اپنے پہلے پڑاوَ سے آگے بڑھا تو شاعر نے اس موقع کی یوں تصویر کشی کی ہے۔

چلے عراق کو جو اب یہاں سے شاہِ ہدا

تھے راستے میں کہ مسلمؑ کی لاش کو دیکھا

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اول تو پہلی منزل[3] تنعیم کے فوراً بعد کا نہیں۔دوئمش امام حسینؑ نے جناب مسلمؑ کی[4] لاش کہیں نہیں دیکھی۔ اور اگر بزورِ امامت دیکھی تو زورِ امامت کا مصرعے میں کہیں شائبہ بھی نہیں ہے۔ یہ مصرعہ خود بتا رہا ہے کہ شاعر جلد از جلد کربلا پہنچنا چاہتا ہے۔

واقعات نگاری میں جزئیات نگاری سامعین کی توجہ کو اپنی طرف کھینچے رکھتی ہے اور اگر جزئیات نگاری میں نفسیات کے پہلو شامل ہو جائیں تو مرثیے کی کامیابی کی ضمانت مل سکتی ہے۔ اس پورے مرثیے میں دو مقامات ایسے ہیں جہاں ساحرؔ لکھنوی نے نفسیات نگاری کا حق ادا کر دیا اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ جب بھی نفسیاتی مرثیے کی طرف راغب ہوں گے کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

سفر کی پہلی ہی منزل پر جناب عبداللہ اپنے دونوں بیٹے لئے ہوئے امام حسینؑ سے ملے اور کہا:

قبول کر لیں مرے لعل کربلا کے لئے

مری طرف سے یہ صدقہ ہیں ہر بلا کے لئے

جناب زینبؑ اپنے شوہر اور دونوں بچوں کو گھر میں چھوڑ آئی تھیں۔لیکن جب انہیں علم ہوا کہ عبداللہ دونوں بچوں کو لے کر امام حسینؑ کے پاس تشریف فرما ہیں تو اس وقت ایک زوجہ اور ایک ماں کی کتنی حسین تصویر سامنے آئی ہے۔ یہی نفسیاتی عمل ساحرؔ صاحب کے اس مرثیے کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

خبر یہ زینبؑ مضطر نے جب سنی ہوگی

نہ جانے کیفیت اس وقت ہوگی کیا دل کی

خدا کے فضل سے بیٹے ملے کچھ اس کی خوشی

کچھ اس کا غم کہ نہیں زوج ہم رکابِ اخی

اسی فضا میں ملاقات جب ہوئی ہوگی

نہ جانے کس طرح شوہر سے بات کی ہوگی

دوسرا وہ موقع ہے کہ امام حسینؑ علم دینے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ جناب عونؑ ومحمدؑ علیؑ کے نواسے اور جعفرؑ کے

---

[1] بے شک مرثیے کو طویل تر ہونے سے بچانا ضروری تھا۔ دوسرے یہ کہ راستے کی منزلوں کا تفصیلی حال لکھنا مدنظر نہ تھا۔ساحرؔ،

[2] جلد بازی کی لفظ سے میں معذرت کے ساتھ اختلاف کرتا ہوں۔ ہاں اختصار مدنظر تھا۔ دوسرے یہ کہ راستے کے واقعات موضوع سے غیر متعلق تھے۔اس لئے ترک کئے گئے۔ساحرؔ،

[3] بے شک امام حسینؑ کو اس واقعہ کی اطلاع چھٹی منزل یعنی ثعلبیہ پر دی گئی تھی۔میرے ناچیز خیال میں، ''تھے راستے میں'' سے یہ تاثر نہیں ملتا کہ یہ تنعیم کے فوراً بعد کا واقعہ ہے۔ساحرؔ

[4] میں فاضل تبصرہ نگار کا شکر گزار ہوں اور ان کی ژرف نگاہی کی داد دیتا ہوں۔ واقعاً یہ بند منبر پر جاتے جاتے لکھا گیا تھا۔ بعد میں مصرعے بدل دیئے گئے تھے۔ جو مسودے میں درج ہونے سے سہواً رہ گئے تھے۔ساحرؔ

ہوتے ہیں۔ وہ علم کی علمداری اپنا مخصوص حق سمجھتے ہیں۔ امام حسینؑ کے فیصلے سے قبل شاعر نے دونوں بچوں کی جو نفسیاتی تصویر کھینچی ہے اس پر انہیں داد نہ دینا بخل ہے۔

کبھی کنکھیوں سے ماں کی طرف یہ دیکھتے تھے
کبھی لپٹتی تھی جا کر نگاہ پرچم سے
کبھی امامؑ کی نظروں کے زاویئے پڑھتے
کبھی یہ ناپتے پرچم سے فاصلے اپنے
گھڑی گھڑی کوئی جذبہ ابھار نے لگتا
علم کو دیکھ کے خوں جوش مارنے لگتا

میں نے اسی موقع کی تصاویر دوسرے قدیم شعراء کے مرثیوں میں دیکھی ہیں۔ اول تو چراغ سے چراغ جلانا کوئی عیب نہیں۔ دوم مجھے اس بند کے چوتھے مصرع کی معنویت:

کبھی یہ ناپتے پرچم سے فاصلے اپنے

کسی شاعر کے مرثیے میں نہیں مل سکی۔ اس لئے میں بجا طور پر یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ساحرؔ صاحب کا یہ مرثیہ قدیم رنگ کا سہی لیکن کامیاب مرثیہ ہے۔

مرثیہ
کعبہ سے کربلا تک

(بند ۱۰۸)

مولوی سید قائم مہدی نقوی صاحب ساحرؔ اجتہادی، پاکستان

سنہ تصنیف ۱۹۹۱ء

۱۹۹۱ء میں جناب محترم مولانا سید صادق حسن صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی رہنمائی میں حج اور زیاراتِ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کا شرف حاصل ہوا۔ اس مرثیہ میں خانہ کعبہ کے ان خاص خاص مقامات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا علم مولانائے محترم کے ذریعہ حاصل ہوا۔ بیشتر حضرات حج و زیارات کے باوجود ان سے لاعلم رہتے ہیں۔ ساحرؔ لکھنوی

(۱)

خدا کا شکر کہ مجھ کو یہ دن دکھایا ہے
دلِ حزیں سے غمِ ہجر کو مٹایا ہے
نصیب سویا ہوا تھا، اسے جگایا ہے
خود اپنی جلوہ گہِ حسن پر بلایا ہے
میں حکم ملتے ہی لبیک کہہ کے آیا ہوں
کچھ اشک نذر کو پلکوں پہ رکھ کے لایا ہوں

(۲)

زہے نصیب یہ ام القریٰ میں اپنا ورود
ملے ہیں منزلِ قوسین سے وہ جس کے حدود
رچی ہوئی ہے فضاؤں میں جس کی بوئے درود
اسی چمن میں ہے دائم بہارِ ذکر و سجود
یہاں خدا نے کئی آفتاب اتارے ہیں
یہاں کی خاک میں ذرے نہیں ستارے ہیں

(۳)

ہیں کیا ہی روح فزا یہ حرم کے نظّارے
فضا میں بجتے ہیں نامِ خدا کے نقّارے
منارے ہیں کہ ہیں نورِ ازل کے فوّارے
کہ بہہ کے آئے ہیں بحرِ کرم کے یہ دھارے
فضا سے نور کی نہریں اتر کے آئی ہیں
جناب شیخ بہائیؒ نے جو بہائی ہیں

(۴)

یہ جگمگاتی فضائیں یہ جلوہ سامانی
ہر ایک سمت ہے نورِ خدا کی ارزانی
ملی ہے دیدۂ حیراں کو ایسی تابانی
ہو جیسے آنکھ میں دریائے نور کا پانی
کچھ اشک آنکھوں میں اس طرح سے چمکتے ہیں
کہ جیسے طاق میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

(۵)

میں جو گناہوں کی تاریکیوں میں تھا محصور
نہ پاس شمعِ عمل تھی، نہ تھا چراغِ شعور
یہاں کی خاک تھی یا چشمِ دل کو سرمۂ نور
کہ چھٹ گئے ہیں اندھیرے نظر سے اب تا دور
کچھ اس حرم نے تجلی نگاہ میں بھر دی
کچھ آنسوؤں کے چراغوں نے روشنی کر دی

(۶)

کہاں یہ عبدِ ذلیل اور کہاں خدا کا یہ گھر
ہے رشکِ خلد بریں جس کا ایک اک منظر
قدم نگاہ نے رکھا جو بابِ عمرہ[۱] پر
وہ رعبِ حسنِ ازل تھا کہ جھک گیا مرا سر
زبانِ اشک جو اک سازِ بے نوا نکلی
ہر ایک سانس سے لبیک کی صدا نکلی

(۷)

قدم کچھ اور جو آگے رہِ وفا میں بڑھے
قدم قدم پہ جہنم کے پٹ رہے تھے گڑھے
جہاں ملک بھی بڑے وجد میں درود پڑھے
ہم ایک زینہ مزید ان بلندیوں پہ چڑھے
قدم بڑھائے تو پیہم درود پڑھ کے بڑھے
ہبل کو روند کے، چھاتی پہ اس کی چڑھ کے بڑھے

(۸)

نظر اٹھی تو نظر آئی جنتِ ارضی
حریم ناز تھا چاروں طرف کہ مسجد تھی
وہ فرش جیسے ہو شفاف چاندنی سی بچھی
وہ بیچ صحن میں کعبہ کی جلوہ سامانی
مثال آپ ہے وہ عالمِ مثالی میں
سیاہ موتی ہو جیسے سفید تھالی میں

(۹)

نظر نواز ہے اب وہ طلائی دروازہ
کہ جس کو دیکھ کے ایمان ہو گیا تازہ
ہے جس کے حسن کا بابِ جناں تک آوازہ
اسی کی چھوٹ سے ہے روئے حور پر غازہ
کلیدِ عشقِ خدا سے جو اس کو باز کرے
وہ بابِ خلد پر آئے تو خلد ناز کرے

(۱۰)

اسی کے پاس وہ منزل ہے بینِ رکن[۱] و مقام[۲]
جہاں ظہور کو جلوہ کریں گے میرے امامؑ[۳]
اٹھائے دوشِ مبارک پہ رایتِ اسلام
نیام میں وہ مچلتی ہوئی علیؑ کی حسام
جلال ایسا کہ شیروں کو بھی غلام کریں
جمال ایسا کہ یوسفؑ انہیں سلام کریں

(۱۱)

نگاہِ شوق میں ہے اب مقامِ ابراہیمؑ
نشانِ پائے خلیلِ خدائے جل و عظیم
وہ سنگِ خلد، کھڑے ہو کے جس پہ ان سا زعیم
بلند کرتا تھا دیوارِ کعبۂ تسلیم
نبیؑ تھا پھر بھی کمی کی نہ کوئی محنت میں
پسر نے پائی نبوت اسی کی اجرت میں

(۱۲)

مقامِ حضرتِ جبریلؑ ہے اسی کے قریں
یہی وہ نقطۂ آغاز ہے بروئے زمیں
شروع ہوئی تھی تعمیر اس مکاں کی یہیں
یہیں پہ رکھی گئی پہلی اینٹ مثلِ نگیں
پسر بھی ان کا تھا معمار، خود خلیل بھی تھے
مدد کے واسطے ساتھ ان کے جبرئیل بھی تھے

(۱۳)

نگاہِ شوق نے پھیلایا اور جو دامن
تو سجدہ ریز ہوئی جاکے برسرِ معجن[۱]
اٹھا دی چشمِ تصور نے وقت کی چلمن
تو دیکھی حضرتِ جبریل کی نزاکتِ فن
ترابِ خلد میں کوثر کی مئے ملاتے تھے
ابو ترابؑ کی خاطر جو گھر بناتے تھے

(۱۴)

بڑھے درود جو پڑھتے ہوئے بہ قلبِ صمیم
گذر کے رکن[۱] عراقی سے آئے سوئے حطیم[۲]
ہیں محوِ خواب یہاں ستر انبیائے عظیم
ہر ایک ذرہ یہاں کا ہے لائقِ تعظیم
یہیں پہ حاجرؑہ روئیں بہ ہجرِ اسماعیلؑ
بنا ہے دونوں کا مدفن یہ حجر[۳] اسماعیلؑ

(۱۵)

نظر اٹھاکے جواب دیکھا سوئے سقفِ حرم
نظر وہ آگیا میزاب[۱] مثلِ ابرِ کرم
وہ نابدانِ طلاء جس سے میرے رب کی قسم
برستی رہتی ہے رحمت خدا کی دم ہمہ دم
جو اس کے سائے میں خالق سے لو لگاتے ہیں
وہی تو بارشِ رحمت کا حظ اٹھاتے ہیں

(۱۶)

اسی جگہ مرے مولاؑ، امامؑ ہر دوسرا
جنابِ سیدِ سجادؑ کرتے تھے گریہ
پکڑ کے کعبہ کا پردہ جو مانگتے تھے دعا
ملک بھی دیتے تھے ''آمین'' کی فلک سے صدا
یہی تھیں شمعِ ہدایت، یہی وظیفہ بھی
انہیں دعاؤں سے کامل ہوا صحیفہ[۱] بھی

(۱۷)

یہاں سے اب جو قدم آئے رکن[۱] شامی تک
مشامِ جاں مہک اٹھا کچھ آئی ایسی مہک
ادھر دکھائی تصور نے بھی کسی کی جھلک
کچھ اور تیز قدم بڑھ گئے، بڑھی جو للک
طواف کرتے ہوئے مستجار[۲] تک پہنچے
بہار آشنا، جانِ بہار تک پہنچے

(۱۸)

یہ مستجار، یہ جائے پناہ، یہ دیوار
بہشت جس پہ تصدق ہے، خلد جس پہ نثار
خدا ہوا تھا جو بنتِ اسدؑ کا مہماں دار
شق ان کے واسطے مثلِ قمر ہوئی یہ جدار
پناہ بنت اسدؑ نے یہاں جو پائی تھی
وہ کھل اٹھی تھیں خوشی سے یہ مسکرائی تھی

(۱۹)

یہ فاطمہؑ بھی عجب نام ہے خدا کی قسم
خدا نے رکھا ہے ہر مرحلہ پر اس کا بھرم
وہ چاہے بنت[۱] اسدؑ ہوں کہ بنت[۲] خیرِ اممؐ
یہ فخرِ حاجرؑہ ٹھہریں وہ نازشِ مریمؑ
یہ فاطمہؑ ہوں کہ وہ، یہ شرف ہے اس گھر کا
ہے ان کے بیٹے کا مولد تو ان کے شوہر کا

(۲۰)

حرم جو بنتِ اسد کا بنا زچہ خانہ
تو کیا ہے رجس سے آلودہ اب یہ کاشانہ
کوئی کہے بھی تو باطل ہے اس کا افسانہ
خدا کے گھر کو جو کہہ دے نجس، وہ دیوانہ
بڑی سند ہے یہ ماں اور پسر کی عظمت پر
حرم گواہ ہے ان دونوں کی طہارت پر

(۲۱)

مکاں بنا جو یہ جائے ولادتِ حیدرؑ
خدا نے کر دیا ممتاز اس کو ہر گھر پر
تمام نوعِ بشر کے یہاں جھکا دیئے سر
تو سجدہ ریز ہوئی اس کی سمت دنیا بھر
وہ دوست ہو کہ ہو دشمن سبھی پہ ظاہر ہے
جو اس طرف کو نہ سجدہ کرے وہ کافر ہے

(۲۲)

مکاں کی گود میں بنت اسد کا ہے جو پسر
یہ ہے مکاں، وہ مکیں ہے، صدف یہ ہے، وہ گہر
یہ پھول ہے، تو وہ خوشبو، یہ نخل ہے، وہ ثمر
یہ چاند ہے، وہ تجلی، یہ آنکھ ہے، وہ نظر
مکاں کی طرح زمانے میں انتخاب ہے یہ
حرم ہے برجِ شرف اور آفتاب ہے یہ

(۲۳)

خدا کے گھر میں ولادت ہوئی، مبارک ہو
نبیؐ کے گھر میں مسرت ہوئی، مبارک ہو
عدو کے گھر میں قیامت ہوئی، مبارک ہو
علیؑ کی دید عبادت ہوئی، مبارک ہو
چمن میں حق کے شگوفہ نیا نہ کھل جائے
نصیریوں کو کہیں یہ بھنک نہ مل جائے

(۲۴)

کھلا حرم کے چمن زار میں یہ غنچۂ تر
گل ریاضِ ابوطالبؑ خجستہ سیر
وہی جنابِ ابوطالبؑ اس پسر کے پدر
خدا شناس، رسولؐ آشنا، نبیؐ پرور
ولی بھی ان کے، حیاتِ نبیؐ کے ضامن بھی
رسولِؐ حق کے محافظ بھی تھے، معاون بھی

(۲۵)

انہیں نے حق کی اشاعت کے اہتمام کئے
ہر اک عدوئے نبیؐ کے مقابلے پہ ڈٹے
جبھی تو کہتی ہے تاریخ بھی یہ حیرت سے
انہیں کو کہتے ہیں کافر، یہ کافروں کے سگے
وہ جس نے دین کے قدموں میں ڈال دی دنیا
اسی پہ کفر کا الزام، واہ ری دنیا

(۲۶)

جو ان کو کہتے ہیں کافر وہ جان لیں یہ ضرور
ہے ان کے کفر کے فتوؤں میں نیتوں کا فتور
تعصّبات کی عینک اتار دیں جو حضور
نظر ہو صاف، نظر آئے صاف اپنا قصور
خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہیں
خود اس محافظِ ایماں سے معذرت چاہیں

(۲۷)

جو ذوالعشیرہ کو واعظ نے یاد رکھا ہو
کیا تھا کس نے وہ دعوت کا اہتمام تھا جو
مخالفت کو محمدؐ کی وہ کھڑا ہوا، تو
ہوا تھا کون غضب ناک بولہب پہ، کہو
نبیؐ کے حق میں علیؑ کے زبان کھولنے سے
یہ خوش ہوئے تھے کہ روکا پسر کو بولنے سے

(۲۸)

بس اب بگڑتا ہے منھ کا مزہ مرے ساقی
یہ کفر سننے کی تاب اب ذرا نہیں باقی
ہے زہر اگلنے میں واعظ کو خوب مشاقی
یہ زہر اتار، دکھا آج مئے کی تریاقی
دکھا دے موجۂ زمزم میں تاب کوثر کی
پلا دے بادہ کشوں کو شراب کوثر کی

(۲۹)

وہ مئے پلا، ہیں سبک ساغر و سبو جس سے
نمازِ عشق کو کرتے ہیں ہم وضو جس سے
چمن میں حق کے قیامت کی ہے نمو جس سے
ترے فقیر کی بڑھتی ہے آبرو جس سے
وہ مئے پلا دے کلی دل کی جس سے کھلتی ہے
جو میکدے کے نئے در سے آج ملتی ہے

(۳۰)

بڑھے فقیر یہ آگے جو پی لے جی بھر کر
نظر سے شکر کا سجدہ ہو سنگِ اسود پر
ہے یہ وہ رکن، وہ جنت کا بے بہا پتھر
نثار جس کی تجلی پہ نجم و شمس و قمر
فلک کے چاند کا رنگ اس کے آگے پھیکا ہے
زمیں کا چاند، عروسِ حرم کا ٹیکا ہے

(۳۱)

تھا التزام جو، اب ملتزم[1] کی دید ہوئی
نظر میں پھر گئی تصویر، دورِ ماضی کی
تڑپ کے رہ گیا دل تو نگاہ جھوم اٹھی
عجب نہیں ہے کہ لگ جائے آنسوؤں کی جھڑی
ہر اشک میں دلِ زہراؑ کے چین کو دیکھا
نگاہِ شوق نے اپنے حسینؑ کو دیکھا

(۳۲)

مری نگاہِ تصور میں اب تھا وہ منظر
کہ ملتزم پہ کھڑے ہیں حسینؑ خستہ جگر
پکڑ کے کعبہ کے پردے کو سبطِ پیغمبرؐ
دعائیں کرتے ہیں اپنے خدا سے رو رو کر
دعا میں درد ہے ایسا، حیات روتی ہے
لرز رہا ہے جہاں، کائنات روتی ہے

(۳۳)

ہمیشہ سے تھا یہ معمول میرے آقاؑ کا
اسی مقام پہ کرتے تھے آپؑ آکے دعا
چمٹ چمٹ کے اسی ملتزم سے شاہِ ہدیٰؑ
خدا کے خوف سے کرتے تھے خوب آہ و بکا
ثبوت معرفتِ حق کا یہ اساسی ہے
خدا کا خوف دلیلِ خدا شناسی ہے

(۳۴)

مگر وہ آخری بار آمدِ امامؑ اُمم
وہ ساٹھ ہجری کی ذی الحجہ، حج کا وہ موسم
وہ سر زمین حرم پر ورودِ جانِ حرم
حرم وہ، عام جہاں ہے خدا کا لطف و کرم
پناہ مل گئی اس کو جو اس مکان میں ہے
یہاں جو آئے وہ اللہ کی امان میں ہے

(۳۵)

حرم ہے گھر وہ خدا کا، وہ مرکزِ اسلام
جہاں پہ رحمت و رحمانیت کا فیض ہے عام
خدا کے حکم سے رائج ہے امن کا وہ نظام
بشر تو کیا ہے کہ چیونٹی کا مارنا بھی حرام
مجالِ قتل کسی کو خدا گواہ، نہ تھی
مگر حسینؑ کو کعبہ میں بھی پناہ نہ تھی

(۳۶)

حسینؑ آئے تھے حج کے لئے جو اب کی بار
عیاں تھے چشمِ امامتؑ پہ حشر کے آثار
سگانِ دہر جو اسلام کے تھے دعوے دار
وہ تھے حرم میں بھی قتلِ حسینؑ پر تیار
جو گدھ چھوڑی ہوئی ہڈیوں پہ گرتے تھے
وہ آستینوں میں خنجر چھپائے پھرتے تھے

(۳۷)

حسینؑ حرمتِ کعبہ عزیز رکھتے تھے
گوارا ان کو نہ تھا یہ، حرم میں خون بہے
بڑی کڑی تھی یہ منزل امامؑ دیں کے لئے
بدل دیا شہؑ والا نے حج کو عمرہ سے
حسینؑ کعبہ سے اک آہِ سرد بھر کے چلے
تمام اہلِ حرم حج کو ترک کر کے چلے

(۳۸)

دلوں پہ لے کے غمِ ترکِ حج کا بارِ عظیم
حرم سے ہو گئے رخصت بہ حالِ زار و سقیم
ملی جو منزلِ اوّل پہ منزلِ تنعیم[1]
اسی زمین پہ ٹھہرے مثالِ عرشِ عظیم
الم نصیبوں کے دل پر یہ اور گھاؤ ہوا
رہِ قتال میں پہلا یہیں پڑاؤ ہوا

(۳۹)

اسی مقام پر حاضر ہوئے حضورِ حسینؑ
جنابِ زینبؑ خستہ جگر کے دل کے چین
جنابِ عونؑ و محمدؑ، پدر کے نورالعین
خوش ان کو دیکھ کے تھے جانِ شاہِؑ بدر و حنین
یہ دونوں بھانجے ماموں کے ساتھ آئے نہ تھے
حسینؑ ان کو مدینہ سے ساتھ لائے نہ تھے

(۴۰)

پھر ان کے بعد ہی پہنچے یہاں بخدمتِ شاہؑ
جنابِ زینبؑ علیا کے شوہرِ ذی جاہ
ملے حسینؑ سے آکر جنابِ عبداللہ
تھا یحیٰ ابن[1] سعید ابن عاص بھی ہمراہ
مراجعت جو حرم سے امامؑ نے کی تھی
اسی نے سبطؑ پیمبرؐ کی راہ روکی تھی

(۴۱)

حضورِ شاہ جو حاضر ہوئے تو عرض یہ کی
میں ساتھ آ نہ سکا، ہے تو یہ خطا میری
امامؑ جانتے ہیں اس کی اصل وجہ جو تھی
حضورؑ چل کے مدینہ میں اب رہیں بخوشی
امان نامہ بھی حاکم سے لے کے آیا ہوں
اور اس کے بھائی کو بھی اپنے ساتھ لایا ہوں

(۴۲)

گلے لگا کے دی سبطِ نبیؐ نے ان کو دعا
جو ان کی رائے تھی، ہاں اس سے اختلاف کیا
ہوئے امامؑ نہ راضی تو پھر انہوں نے کہا
ہیں میرے عونؑ و محمدؑ حضور کا فدیہ
قبول کر لیں مرے لعل کربلا کے لئے
مری طرف سے یہ صدقہ ہیں ہر بلا کے لئے

(۴۳)

خبر یہ زینبؑ مضطر نے جب سنی ہوگی
نہ جانے کیفیت اس وقت ہوگی کیا دل کی
خدا کے فضل سے بیٹے ملے، کچھ اس کی خوشی
کچھ اس کا غم کہ نہیں زوج ہمرکابِ اخی
اسی فضا میں ملاقات جب ہوئی ہوگی
نہ جانے کس طرح شوہر سے بات کی ہوگی

(۴۴)

چلے عراق کو جو اب یہاں سے شاہِؑ ہدا
تھے راستے میں کہ مسلمؑ کے سانحے کو سنا
تڑپ گئے یہ خبر سن کے پھر بھی صبر کیا
وہاں سے قافلہ اب ایک دشت میں پہنچا
بتایا بڑھ کے کسی نے کہ نینوا ہے یہی
پکار اٹھی یہ تقدیر کربلا ہے یہی

(۴۵)

یہاں پہنچ کے فروکش ہوئے امامِ انام
لگائے ساحلِ دریا پہ سب نے اپنے خیام
مگر عدو نے نہ کرنے دیا یہاں جو قیام
تو جا کے بس گئے اک دشتِ تشنگی میں امامؑ
قدم قدم پہ قیامت یہاں نظر آئی
اسی مقام پہ عاشور کی سحر آئی

(۴۶)

وہ صبح آئی کہ اک حشر ہو گیا برپا
ہر ایک لمحہ تھا جس کا پیامِ کرب و بلا
ادھر تھے لاکھوں کی تعداد میں وہ اہل جفا
ادھر حسینؑ کا اک مختصر سا لشکر تھا
سوار چند تھے ان میں تو کچھ پیادہ تھے
عدد میں کم تھے شجاعت میں یہ زیادہ تھے

(۴۷)

عجیب شوقِ شہادت تھا ایک اک کو یہاں
ضعیف جوشِ شجاعت سے ہو گئے تھے جواں
جو تن گئے تو ہوئے تیر، جھک گئے تو کماں
تھا کمسنی میں بھی جوشِ شباب ابھی سے عیاں
جوان لینے پہ انگڑائیاں جو آتے تھے
تو سارے بندِ قبا چٹ سے ٹوٹ جاتے تھے

(۴۸)

انہیں میں عونؑ و محمدؑ سے نوجوان بھی تھے
یہ بنت فاطمہ زہراؑ کی گود کے تھے پلے
جنابِ عونؑ تھے بیٹے جنابِ زینبؑ کے
محمدؑ ان کے پسر جو نہ تھے تو کیا اس سے
انہیں بھی عونؑ کی صورت انہیں نے پالا تھا
چراغ یہ بھی اسی گود کا اجالا تھا

(۴۹)

یہ دور عمر کا وہ تھا کہ کمسنی نہ شباب
مگر وہ رعب کہ آنکھیں ملائے، کس کو یہ تاب
نظر نظر سے ملے تو نظر چرائے عقاب
شناورانِ شجاعت کو بحر بھی تالاب
کوئی شجاع نہ ایسا کہیں تھا اس سن کا
وہ عزم تھا، وہ جگر تھا وہ حوصلہ ان کا

(۵۰)

عجب نہیں تھی یہ ان کی جلالت وصولت
رخوں پہ بنت علیؑ کے لہو کی تھی رنگت
تھے ان کے نانا بھی دادا بھی حاملِ رایت
یہ حوصلہ، یہ شجاعت، یہ عزم، یہ ہمت
علیؑ و جعفرِ طیارؑ کی وراثت تھی
علم پہ ان کی نہ ہوتی نظر تو حیرت تھی

(۵۱)

حسینؑ فوج خدا کا علم سجانے لگے
تمام اہلِ حرمؑ دیکھنے کو آنے لگے
نظر پڑی جو محمدؑ کی مسکرانے لگے
خود اپنے بازوؤں کو عونؑ تھپتھپانے لگے
کچھ اپنے منھ سے کہیں خود، یہ کب گوارا تھا
دبا دبا سا مگر جوش آشکارا تھا

(۵۲)

بڑھا وہ جوش تو سب جسم کی رگیں تڑکیں
لہو ابل پڑا، ذہنوں میں بجلیاں کڑکیں
چراغِ عزم میں احساس کی لویں بھڑکیں
علم کو دیکھ کے بازو کی مچھلیاں پھڑکیں
وہ اپنا اس پہ تصور میں نام پڑھنے لگے
بغیر ارادے کے ہاتھ اس طرف کو بڑھنے لگے

(۵۳)

مگر یہ بڑھتے ہوئے جوش کو دبائے ہوئے
دلوں میں یورشِ جذبات کو چھپائے ہوئے
علم کے ہجر میں بارِ الم اٹھائے ہوئے
یونہی کھڑے رہے خاموش سر جھکائے ہوئے
تھے کھل کے کہنے کو سب دل کی، اب نہیں کھلتے
انہیں یہ پاسِ ادب ہے کہ لب نہیں کھلتے

(۵۴)

کبھی کنکھیوں سے ماں کی طرف یہ دیکھتے تھے
کبھی لپٹتی تھی جاکر نگاہ پرچم سے
کبھی امامؑ کی نظروں کے زاویئے پڑھتے
کبھی یہ ناپتے پرچم سے فاصلے اپنے
گھڑی گھڑی کوئی جذبہ ابھارنے لگتا
علم کو دیکھ کے خوں جوش مارنے لگتا

(۵۵)

کچھ اپنی کیفیتِ دل پہ جب نظر ڈالی
تو سوچنے لگے بے تابیاں ہیں یہ کیسی
علم کی اپنے لئے ہم نے جو تمنا کی
اس آرزو کی بھلا ہے کوئی حقیقت بھی
ہمارا حق تو ہے، لیکن ہیں اور بھی حقدار
ہیں اس علم کے یہاں اور بھی کئی حقدار

(۵۶)

ہمارے بھائی وہ قاسمؑ، مگر وہ ہیں کم سن
علم اٹھانا ابھی ان کے واسطے ہے کٹھن
اسے سنبھالنا ان کے لئے نہیں ممکن
ابھی نہیں ہیں یہ ان کے لئے جدال کے دن
ہم ان کے حق سے تو انکار کر نہیں سکتے
ابھی علم کو وہ تلوار کر نہیں سکتے

(۵۷)

مگر وہ بھائی، شبیہِ نبیؐ، علی اکبرؑ
علیؑ ہے نام تو جرأت میں سر بسر حیدرؑ
ہے اتنے سن میں وہی دبدبہ وہی تیور
ہمارا حق ہے بھلا کوئی ان سے کچھ بڑھ کر
علم کے ہم سے سوا مستحق وہ ہوتے ہیں
علیؑ کے ہم ہیں نواسے مگر وہ پوتے ہیں

(۵۸)

ہیں چھوٹے ماموں مگر ان سے بھی سوا حقدار
یہ شان ہے کہ وہ لگتے ہیں فوج کے سردار
جلال دیکھئے تو عینِ حیدرِ کرارؑ
نظر جو بازوؤں پر ہو تو جعفرِ طیارؑ
تھے نو برس کے یہ جب جنگ آزمائی کی
عدو کی فوج کی صفین میں صفائی کی

(۵۹)

وفا، جلال، شجاعت، شکوہ سرداری
علیؑ کی یہ صفتیں ان میں آئی ہیں ساری
یہ ہاتھ پاؤں پہ ان بازوؤں کی تیاری
سجے گی ان پہ یقیناً بہت علمداری
ہمارا غنچۂ دل اب تو اس طرح کھل جائے
خدا کرے کہ بس اب یہ علم انہیں مل جائے

(۶۰)

ابھی تھیں دل سے یہ باتیں کہ آئی ایک صدا
یہ کہہ رہے تھے بہن سے امامِؑ ہر دوسرا
کسے سپرد کروں یہ نشانِ فوجِ خدا
علم یہ دوں میں کسے آپ کی رضا ہے کیا
یہ کام ماں کی جگہ آج آپ سے لوں گا
جسے بھی آپ کہیں گی اسے علم دوں گا

(۶۱)

یہ سن کے زینبِ کبریٰؑ نے اٹھ کے فرمایا
کہ اس علم کا ہے وارث علیؑ کرب و بلا
وہ جس کا سایۂ دامن ہے میرے سر کی ردا
کہاں ہے وہ مرا عباسؑ، شاہِ ملکِ وفا
نشانِ فوجِ خدا تو علیؑ کے شیر کا ہے
خود انتظار علم کو مرے دلیر کا ہے

(۶۲)

یہ سن کے حضرت عباسؑ بھی قریب آئے
بہن کے گرد پھرے، بھائی پر نثار ہوئے
گلے سے ان کو لگایا جو شہؑ نے خوش ہو کے
ہوا وہ جوشِ مسرت کہ اشک بہنے لگے
جنابِ ثانیٔ زہراؑ نے جب علم بخشا
انہیں نے دوش پہ رکھ کر اسے حشم بخشا

(۶۳)

علم لیا تو بہن نے کہا مبارک ہو
حسینؑ کہتے تھے، صلی علیٰ مبارک ہو
ہر ایک سمت سے یہ غل ہوا، مبارک ہو
نشانِ فتحِ سپاہِ خدا مبارک ہو
سلام جب کیا جھک کر شہِؑ گرامی کو
علم بھی جھک گیا ساتھ آپؑ کے سلامی کو

(۶۴)

علم جو دوشِ علمدارِ کربلا پہ کھلا
شکوہِ فوجِ خدا، دشمنِ خدا پہ کھلا
جلالِ حضرت عباسؑ، اشقیا پہ کھلا
بندھے گی کس کی ہوا آج، یہ ہوا پہ کھلا
ہوا نے بڑھ کے علم سے جو کچھ کلام کیا
علم نے جھک کے علمدار کو سلام کیا

(۶۵)

پڑی وہ طبل پہ اک چوٹ، گونج اٹھا وہ رن
ہر ایک سمت ہوا غلغلہ، بگیرو بزن
ادھر تھے جنگ پہ آمادہ دین کے دشمن
ادھر خیالِ شہادت میں سب فدائی مگن
تھا وہ سرورِ شہادت کہ جھومتے تھے یہ لوگ
گلے پہ تیغیں جو آتیں تو چومتے تھے یہ لوگ

(۶۶)

شہید ہو گئے انصار جب لڑائی چھڑی
پھر ان کے بعد عزیزوں کی آگئی باری
تھے ان میں پہلے شہید اکبرِؑ حسین وجری
یہی درست ہے حسبِ روایتِ طبری
حسینؑ نے جو فدا پہلے اپنا لال کیا
وہ غم تھا جیسے پیمبرؐ نے انتقال کیا

(۶۷)

جنابِ عونؑ و محمدؑ اب آئے شاہؑ کے پاس
پکڑ کے پاؤں کہا، اے امام صدق اساس
ہمارا حق بھی ملے آپؑ ہیں حقوق شناس
بجھائیں ہم بھی کہیں جا کے آبِ تیغ سے پیاس
غمِ جدائی اکبرؑ اٹھا نہیں سکتے
بغیر اذن کے اب سر اٹھا نہیں سکتے

(۶۸)

کہا حسینؑ نے، کرتے نہیں ہیں ضد بیٹو!
ہمارے سینہ سے لگ جاؤ، سر اٹھاؤ، اٹھو
ہو قتل ساتھ ہی دونوں، کہیں جو ایسا ہو
تمہاری ماں یہ ستم سہہ سکے گی یہ سوچو
کہیں بہن بھی نہ فرقت کا ہم کو غم دیدے
کہ تم شہید ہو اور وہ پھڑک کے دم دیدے

(۶۹)

پہنچ گئی یہ خبر اب جو گوشِ زینبؑ تک
کہا کہ شکرِ خدا، بات آئی تو لب تک
رکھیں گے جان عزیز اپنی شاہؑ سے کب تک
گذر گیا مرا اکبرؑ، یہ جیتے ہیں اب تک
نہیں ہے کوئی محمدؑ سے کچھ گلہ مجھ کو
مگر یہ عونؑ نے کیسا دیا صلہ مجھ کو

(۷۰)

عزیز مجھ کو محمدؑ بھی عونؑ سے نہیں کم
نہ اس نے جان دی اب تک، ہے مجھ کو اس کا بھی غم
وہ قتل ہو گا تو ٹوٹے گا دل پہ کوہِ الم
مگر میں چاہتی ہوں پہلے عونؑ کا ماتم
ہوں قتل دونوں تو زخم اس کے پہلے دھوؤں گی
اُسی کو روؤں گی میں عونؑ کو نہ روؤں گی

(۷۱)

بڑی بھی سب سے ہوں، ماں کی جگہ بھی ہوں اس جا
یہ میرا فرض بھی تھا اور حق بھی تھا میرا
کہ اپنے لعل کروں پہلے بھائی پر میں فدا
اس امتحاں میں مگر مجھ سے بڑھ گئیں لیلیٰ
وہ مر گئے جو دلوں میں سمائے بیٹھے تھے
ہمارے لال کہاں منھ چھپائے بیٹھے تھے

(۷۲)

جو اب حسینؑ نے زینبؑ کی گفتگو یہ سنی
کہا بہن سے کہ ان کی خطا نہیں کوئی
نہ جانے کب سے رضا مانگتے ہیں مرنے کی
نہ دی جو میں نے اجازت تو مصلحت تھی مری
سبھی کے اذن میں مجھ کو کلام ہے زینبؑ
عدو کو صرف مرے سر سے کام ہے زینبؑ

(۷۳)

حسینؑ سے جو یہ جملہ سنا قیامت کا
تڑپ کے بولیں کہ بس بس، بس اب نہ کچھ کہنا
نثار تم پہ میں، میرے یہ دونوں لعل فدا
میں ان کو صدقہ کروں گی کہ رد ہو تم سے بلا
خدا کے واسطے اب ان کو اذن دو بھائی
بس اب نہ اور مرا امتحان لو بھائی

(۷۴)

کہا حسینؑ نے روکر، جو آپؑ کی مرضی
اب ان کو بھیجئے مرنے اگر یہی ہے خوشی
بہن نے روتے ہوئے لیں بلائیں بھائی کی
ہر ایک بیٹے کی خوش ہو کے پھر جبیں چومی
گلے لگا کے کہا عونؑ سے، خدا حافظ
سدھارو تم بھی محمدؑ مرے، خدا حافظ

(۷۵)

یہ سن کے اہلِ حرمؑ میں بپا ہوا کہرام
سمٹ کے خیمۂ زینبؑ میں آگئے وہ تمام
وہ شورِ آہ و فغاں میں ہر ایک کا یہ کلام
قیامت آگئی زینبؑ پہ یا رسولؐ انام
لگیں گے اب دلِ زینبؑ پہ زخم تازے آج
کہ ساتھ نکلیں گے اس گھر سے دو جنازے آج

(۷۶)

چلے تو شوقِ شہادت میں مسکرا کے چلے
تمام اہلِ حرمؑ کو رلا رلا کے چلے
خود اپنے صبر و تحمل کی حد دکھا کے چلے
ہر اک کے ہاتھ سے دامن چھڑا چھڑا کے چلے
یہ لمحہ اہلِ حرمؑ کو نہ کم تھا محشر سے
یہ کیا گئے کہ جنازے نکل گئے گھر سے

(۷۷)

ادھر یہ غل تھا کہ اب دو سوار آتے ہیں
عجب حسین عجب گلعذار آتے ہیں
بسانِ جعفرؑ ضیغم شکار، آتے ہیں
علیؑ کی طرح سے مردانہ وار آتے ہیں
ہیں تیغیں قد میں تو چھوٹی مگر چمک دیکھو
زمین ہلتی ہے ٹاپوں کی یہ دھمک دیکھو

(۷۸)

وہ ہٹ کے گرد نے جلوے عجب دکھائے دو
افق تھا ایک مگر چاند جگمگائے دو
اڑے دو اسپ وہ یا تیر سنسنائے دو
وہ حبس ٹوٹا، وہ جھونکے ہوا کے آئے دو
چلے جو دشت میں جھونکے ہواؤں کے سن سے
سب اڑ گئے خس و خاشاک کی طرح رن سے

(۷۹)

عدو یہ دیکھ کے حیراں ہوئے ہٹا جو غبار
عیاں تھا یہ کہ ہیں دو شیر مرکبوں پہ سوار
یہ غل تھا آ گئے میداں میں حیدرؑ کرار
کوئی پکارا کہ جعفرؑ ہیں جنگ کو تیار
غضب میں آئے ہوئے تیوریاں چڑھائے ہوئے
کھڑے ہیں دشتِ وغا میں قدم جمائے ہوئے

(۸۰)

رکے ہوا کے یہ جھونکے جو دشت میں آکر
حواس کرنے لگا جمع شام کا لشکر
بکھر گئے تھے جو تنکوں کی طرح بانئ شر
سمٹ کے آ گئے پھر اپنی اپنی منزل پر
تتر بتر جو صفیں تھیں درست ہونے لگیں
وہ جوش تھا، زرہیں تن پہ چست ہونے لگیں

(۸۱)

پہنچ کے رن میں مبارز طلب ہوئے جو یہ شیر
دبک کے چھپ گئے فوجوں میں سب شجاع و دلیر
تھے اپنی شومئ قسمت سے زندگی سے جو سیر
اجل کے جال میں لایا انہیں نصیب کا پھیر
جو دیکھا ان کا سن و سال اور شیر ہوئے
مگر وہ ایسے زبردست تھے کہ زیر ہوئے

(۸۲)

اب اس کے بعد نہ ہمت کسی دلیر نے کی
تو ایک بھائی سے بولا یہ دوسرا بھائی
عدو کی فوج سے تو اب نہ آئے گا کوئی
ہمیں بڑھیں کہ کھلی ہے وغا کی راہ ابھی
وہ سامنے ہے عمر ابن سعد کا خیمہ
وہ، آگے والا نہیں، اس کے بعد کا خیمہ

(۸۳)

ہم آپ بڑھ کے ابھی جا پڑیں جو فوجوں پر
ہو ایک آن میں تر بھر یہ کل کا کل لشکر
ہٹا کے فوجوں کو پہنچیں جو، تا بہ مرکزِ شر
تو چھین لیں وہ علم ابن سعد سے بڑھ کر
جو چھین لائیں گے ہم اشقیاء کے پرچم کو
تو داد دیں گے علمدارِ کربلاؑ ہم کو

(۸۴)

کہا یہ دوسرے بھائی نے ہنس کے، بسم اللہ
جو میرے دل میں تھا آپ اس سے ہو گئے آگاہ
مری تو کب سے ہے اس مرکزِ ستم پہ نگاہ
علم کو چھین کے اس کو بھگا دیں رن سے تو واہ
خبر یہ اماں کو ہم دیں، وہ اپنے بھائی کو
علم بھی نذر کریں شاہِؑ کربلائی کو

(۸۵)

یہ کہہ کے دونوں نے کھینچے جو نیچے یک بار
صدا وہ کھچنے پہ نکلی کہ سانپ کی پھنکار
بڑھیں جو ناگنیں لہرا کے دو سوئے کفار
قرار کر گیا اک اک عدو کے دل سے فرار
عدو کو یاد جو اژدر فگن کی آئی تھی
جنابِ حیدرؑ کرار کی دہائی تھی

(۸۶)

وغا کو ان کی بھی، ان کی بھی تیغ سن سے چلی
تجلی شمع سے، بوگل سے، روح تن سے چلی
یہ اپنی چال جو چلنے لگی تو زن سے چلی
وہ شوخ ناز دکھانے لگی تو چھن سے چلی
غضب کی دونوں تھیں، اک قہر تھی اک آفت تھی
چمک چمک کے جو گرنے لگیں، قیامت تھی

(۸۷)

بس اب جو غیظ میں حملہ کیا دلیرانہ
در آئے فوج کی ایک ایک صف میں درانہ
ادھر جلال میں ان کی وغا وہ شیرانہ
سگانِ شام کا ان پر ادھر وہ غرانا
دھاڑ رن میں جو شیروں کی سن کے چونکتے تھے
تو دور دور سے ان ضیغموں پہ بھونکتے تھے

(۸۸)

یہ غل تھا، برق و شرر ہیں کہ ہیں یہ تلواریں
کہ ایک آگ لگا دی ہے سارے جنگل میں
نکل رہی ہیں یہ ہاتھوں سے برق کی لہریں
کہ ان کی مٹھیوں میں آگ کے یہ شعلے ہیں
نکل چلو کہ ہمیں بجلیوں سے بیر نہیں
بھڑک رہے ہیں یہ شعلے سقر کے، خیر نہیں

(۸۹)

چمک دکھاتیں تو خیرہ نظر یہ چیختے تھے
یہ کون دھوپ میں چمکا رہا ہے آئینے
بلند ہوتیں تو کوندے سے دو لپک جاتے
چمک جو چرخ پہ جاتی، ملک یہ بول اٹھتے
فلک کی گردشیں کیا انقلاب لاتی ہیں
زمیں سے بجلیاں اب آسماں پہ آتی ہیں

(۹۰)

چلیں چمک کے جو تلواریں دو برابر سے
تنوں کے ڈھیر ہوئے، سر فضا میں اڑنے لگے
کہ جیسے تیز ہواؤں سے ٹوٹ کر اڑتے
خزاں کے مارے ہوئے خشک زرد روپتے
نہ خار و خس کوئی چھوڑا وغا کے آنگن میں
ہوائے تیغ نے ستھراؤ کر دیا رن میں

(۹۱)

یہ حملے کرتے ہوئے اس طرف کو بڑھنے لگے
لگے تھے خیمے جدھر افسرانِ لشکر کے
لڑا دی جان لڑائی میں گرچہ دشمن تھے
مگر یہ ہاشمی شیر ان کے بس سے باہر تھے
خدا کا شکر مراد اپنی پا گئے دونوں
وہ ابن سعد کے خیمہ تک آگئے دونوں

(۹۲)

پہنچ گئے جو بن سعد شوم کے سر پر
وہ اٹھ کھڑا ہوا اپنی جگہ سے گھبرا کر
چمکتی تیغوں سے کٹنے لگے جو تارِ نظر
سمجھ گیا کہ بس اب آگیا ہے وقتِ سفر
قضا کو دیکھ کے جینے کی آس کھو بیٹھا
وہ بد حواس تو سچ مچ حواس کھو بیٹھا

(۹۳)

شغال ضیغموں کے ہاتھ جوڑ کر بھاگا
منھ اپنا سلطنتِ رےُ سے موڑ کر بھاگا
نشان و خلعت و دستار چھوڑ کر بھاگا
بنی تھی جان پہ تو جان توڑ کر بھاگا
یہ بھاگتے میں صدا دی کہ، اہلِ شر بھاگو
قضا سے بچ کے کہاں جاؤگے مگر بھاگو

(۹۴)

ادھر لعین وہ خیمہ کو چھوڑ کر بھاگا
ادھر یہ جھک گئے سجدہ میں بہرِ شکرِ خدا
بس اتنی دیر کو تلواریں رک گئیں جو ذرا
عدو کو مل گیا موقع پلٹ کے آنے کا
نصیب ان کے جواب ان سے پھر گئے افسوس
سپاہِ شام میں وہ چاند گھر گئے افسوس

(۹۵)

سنبھل کے لڑنے کی دونوں نے کی بہت تدبیر
مگر ہزارہا حربے چلا رہے تھے شریر
وہ عامر[1] ابن تمیمی نے سر کیا اک تیر
وہ ابنِ قیطبہ[2] طائی کی چلی شمشیر
ہوائے دامنِ شمشیر سے سنبھل نہ سکے
چراغ ظلم کے ان آندھیوں میں جل نہ سکے

(۹۶)

ادھر جو ٹیس اٹھی ماں کے قلب میں دوبار
تو آئیں دوڑ کے بھائی کے پاس بادلِ زار
کہا کہ خیر ہے بچوں کی یا شہِؑ ابرار
مجھے یہ کیوں نظر آتے ہیں حشر کے آثار
کسی نے قلب میں خنجر مرے اتارے ہیں
کسی نے میرے کلیجہ پہ تیر مارے ہیں

(۹۷)

ادھر یہ ماں نے کہا اور ادھر سے آئی صدا
سلام آپ پہ یا شاہِ یثرب و بطحا
حضور آپ پہ ہونے کو ہیں غلام فدا
جو ہو سکے تو مدد کیجئے شہؑ والا
تھے جس کے منتظر اعدا، گھڑی وہ آئی ہے
بہت قریب سرو تن میں اب جدائی ہے

(۹۸)

حسینؑ سنتے ہی آواز یوں تڑپ کے اٹھے
کہ جیسے چبھ گیا ہو دل میں کوئی تیر آ کے
امامؑ روتے ہوئے قتل گاہ کو جو چلے
تھے ساتھ حضرتِ عباسؑ انہیں سنبھالے ہوئے
پہنچ کے دشتِ مصیبت میں تھرتھرائے حسینؑ
بہن کے بچوں کو زندہ نہ دیکھ پائے حسینؑ

(۹۹)

پہنچ کے لاشوں پہ روئے بہت امامِ امم
پھر اس کے بعد کہا بھائی سے بدیدۂ نم
بہن کو جاکے بھلا کیا دکھائیں گے منھ ہم
ہو جس طرح بھی یہ لاشے اٹھائیں مل کے بہم
بہن کے دل کے لئے دو یہ داغ لے کے چلو
یہ دو بجھے ہوئے اس کے چراغ لے کے چلو

(۱۰۰)

جب آئے خیمے میں لاشے تو اک قیامت تھی
تمام اہلِ حرم میں بپا تھی سینہ زنی
مگر جو ماں کا تھا عالم وہ کیا کہے کوئی
جنابِ زینبؑ کبریٰؑ نے آہ بھی تو نہ کی
خدا کا شکر کیا سر جھکا کے سجدے میں
تھے اشک آنکھوں میں اور سر خدا کے سجدے میں

(۱۰۱)

جب آئے پرسے کو زینبؑ کے پاس اہلِ حرم
ہوا کچھ اور بھی شدت کا گریہ و ماتم
کہا یہ ثانئ زہراؑ نے ضبط کر کے الم
نہ اتنا غم کرو تم سب، مجھے نہیں کوئی غم
بلا حسینؑ سے رد ہو گئی، الم کیسا
یہ میرے بھائی پہ صدقے ہوئے ہیں غم کیسا

(۱۰۲)

کہا حسینؑ سے پھر، آپ خوب ہیں آگاہ
بتائیں، کس طرح دونوں نے جنگ کی، واللہ
کہا حسینؑ نے، کیا خوب یہ لڑے ہیں، واہ
عدو بھی دیکھ کے کہتے تھے اے جزاک اللہ
یہ دونوں جعفرؑ و حیدرؑ کے شیر تھے زینبؑ
تمہارے لعل بہت ہی دلیر تھے زینبؑ

(۱۰۳)

یہ سن کے ماں نے کئے پھر سے شکر کے سجدے
پھر آکے بیٹوں کے سر اپنی گود میں رکھے
جبینیں چوم کے کہنے لگیں یہ خوش ہوکے
زہے یہ عمر اور اس پر وغا کے یہ چرچے
خموش کیوں ہو اٹھو، فخر سے کلام کرو
امامؑ وقت نے تعریف کی، سلام کرو

(۱۰۴)

شجاعتوں پہ تمہاری نثار ہیں سب لوگ
تمہارے ہجر میں اب بے قرار ہیں سب لوگ
اٹھو کہ اب ہمہ تن انتظار ہیں سب لوگ
تمہاری دید کے امیدوار ہیں سب لوگ
یہ آنے والے یہاں ہر جہاں سے آئے ہیں
علیؑ بہشت سے جعفرؑ جناں سے آئے ہیں

(۱۰۵)

مجھے تھی کتنی تمنا کہ تم بنو دولہا
دلہن جو لاؤں تمہاری تو اک سے اک زیبا
ہو ایک ماہ لقا، ایک چاند کا ٹکڑا
مگر نصیب کا لکھا تو مٹ نہیں سکتا
تمہاری ماں کو بڑی ظلمتوں نے گھیرا ہے
ہمارے گھر کے چراغو! بڑا اندھیرا ہے

(۱۰۶)

خفا ہو مجھ سے کہ شکوہ کیا تھا یہ میں نے
کہ جان دینے سے تم منھ چھپائے پھرتے تھے
میں کیا کروں، مرا اکبرؑ جو مر گیا پہلے
مجھے بڑی ہی ندامت تھی اپنے بھائی سے
مری طرف سے اب اپنے دلوں کو صاف کرو
خطا ہوئی مرے بچو، مجھے معاف کرو

(۱۰۷)

یہ کہہ کے زینبؑ مضطر جو بیقرار ہوئیں
تڑپ تڑپ کے جو رروئیں تو اس قدر روئیں
کیا وہ لاشوں پہ ماتم کہ ہل گئی یہ زمیں
غش آ گیا تو پچھاڑیں وہیں پہ کھا کے گریں
حرم یہ سمجھے کہ جاں سے گزر گئیں زینبؑ
تڑپ کے بیٹوں کے لاشوں پہ مر گئیں زینبؑ

(۱۰۸)

خدا کے واسطے ساحرؔ کر اب یہ ختم بیاں
وفورِ غم سے ہیں سب اہلِ بزم نوحہ کناں
دعا یہ کر کہ ثواب اس کا پہنچے تابہ جناں
بروحِ آغا محمد حسینؒ خلد مکاں
بہشت میں بھی مجالس یہ ان کو یاد رہیں
غمِ حسینؑ کے صدقے جناں میں شاد رہیں

(بقیہ صفحہ ۴۰ پر-----------------------)

ایک طرف تو یزیدی حجاج مکہ میں داخل ہو چکے تھے۔ دوسری طرف مسلم ابن عقیل جیسے خیر خواہ نے لکھ بھیجا تھا کہ کوفہ والے پورے طور پر آپ کی مدد کرنے کو تیار ہیں آپ بے خوف و خطر ادھر چلے آیئے اب مکہ سے نکلنے اور کوفہ کی طرف رخ کرنے کے لئے ظاہری واقعات کی بنا پر حسینؑ کے پاس کون سا عذر رہ گیا تھا، اس لئے حسینؑ نے کوفہ کا رخ کیا راستے میں پہلے تو مسلمؑ بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی، پھر آگے چل کر حر کے لشکر سے دو دو باتیں ہوئیں جس سے ثابت ہو گیا کہ کوفہ بھی دارالامن نہیں ہے۔ اب حسینؑ نے ایک دوسری طرف چلنے کا ارادہ کیا اور قسمت کشاں کشاں اس زمین پر لے آئی جہاں کی خاک میں ملنے کی حضور کو مدت سے آرزو تھی۔

اب صاحبانِ عقل غور کر کے بتائیں کہ حسینؑ خود موت کی طرف بڑھے یا موت نے حسینؑ کا پیچھا کیا۔

نہ پایا چین یثرب میں، نہ کعبہ میں ملی راحت
جدھر جاتے تھے حضرت موت دامن گیر پھرتی تھی

ہم مانتے ہیں کہ کربلا کی جنگ ظاہری واقعات کی بنا پر آل محمدؐ کی زبردست شکست تھی، یزیدی فوج فتح وظفر کے نقارے بجا رہی تھی، کوفہ اور شام میں بازار آراستہ ہو رہے تھے لیکن اس فتح میں بنی امیہ کے زوال کے جراثیم پوشیدہ تھے۔ آل محمدؐ کی تشہیر گو ظاہری اعتبار سے ان کی ذلت ہو لیکن باطن میں اس نے زبردست کام کیا، آل محمدؐ کے صبر و استقلال اور بنی امیہ کے ظلم و ستم کی داستانیں عالم آشکارا ہو گئیں اور جلد ہی رعایا کے خیالات میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہو گیا۔ جس نے رفتہ رفتہ بنی امیہ کی بنیادیں ہلا دیں، یزید اور اس کے خاندان والے سب مٹ گئے آج ان کی قبروں کا بھی نشان نہیں ملتا لیکن آل محمدؐ کا عروج ہوتا گیا۔ وہ آج بھی کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں ان کا دربار سلاطین کی جبین نیاز کے لئے باعث فخر ہے ان کے مقبرے رحمت الٰہی کا مسکن بنے ہوئے ہیں۔

(ماخوذ از ہفت روزہ رضا کار سید الشہداؑ نمبر جنوری ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۴۱ تا ۴۵)

(بقیہ صفحہ ۹۶ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

حواشی

(۴) محمد بن حسین شیخ الاسلام شیخ بہائی (متوفی ۱۰۴۱ھ) جو نہ صرف ایک جید عالم دین تھے بلکہ ایک نہایت اعلیٰ پایہ کے انجینیر بھی تھے۔ مسجد الحرام کے میناروں کا ڈیزائن انہیں نے کچھ اس طرح بنایا تھا کہ اگر طواف کے دوران ان کے درمیان نظر رکھی جائے تو جسم کا زاویہ درست رہ سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۶) ۱ باب العمرۃ خانۂ کعبہ میں داخلے کا ایک دروازہ جس سے داخلہ کا زیادہ ثواب بتایا جاتا ہے۔

(۱۰) ۱ رکن یعنی سنگِ اسود، ۲ مقام ابراہیمؑ، ۳ قائم آلِ محمد امامِ عصر مہدی آخر الزماںؑ

(۱۳) ۱ معجن یعنی گارا بنانے کی جگہ یہاں پر حضرت جبرئیل جنت کی مٹی اور کوثر کے پانی سے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے لئے گارا بناتے تھے۔

(۱۴) ۱ حرم کا وہ کونہ جو بابِ کعبہ اور میزابِ رحمت کے درمیان ہے،
۲ میزابِ رحمت کی دیوار کے آگے جو نصف دائرہ میں ایک دیوار بنی ہوئی ہے۔
۳ حجرِ اسماعیلؑ (حجر بروزن ہجر یعنی دیوار) حطیم کا دوسرا نام ہے۔

(۱۵) ۱ میزاب رحمت جسے فارسی میں ناہدان طلا کہتے ہیں حطیم کے سامنے والی دیوار میں کعبہ کی چھت پر آویزاں ہے۔

(۱۶) ۱ صحیفہ کاملہ جو امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ اس میں بیشتر وہ دعائیں شامل ہیں جو آپ خانۂ کعبہ میں مانگتے تھے۔

(۱۷) ۱ حطیم کے بعد والا حرم کا کونہ، ۲ پناہ کی جگہ۔ بابِ حرم کے بالکل مقابل پشت کی دیوار میں وہ مقام جہاں جناب فاطمہؑ بنت اسد کے لئے دیوار میں حکمِ خدا سے در بنا اور وہ اس راستہ سے حرم میں داخل ہوئیں

(۱۹) ۱ فاطمہؑ بنت اسد حضرت علیؑ کی والدہ گرامی، ۲ فاطمہؑ بنت محمدؐ حضرت علیؑ کی زوجۂ محترمہ

(۳۱) ۱ حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان کی جگہ جو دعا قبول ہونے کی جگہ ہے

(۳۸) ۱ مکہ معظّمہ کے باہر تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر یہ جگہ ہے جہاں اب ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جو مسجدِ تنعیم کہلاتی ہے۔ اور مکہ کے قیام کے دوران عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھا جاتا ہے۔

(۴۰) ۱ مکہ کے گورنر عمرو بن سعید بن العاص کا بھائی جس نے گورنر کے حکم پر امام حسینؑ کے ترکِ حج کے بعد مکہ سے مراجعت کے خلاف فوجی مزاحمت کی تھی۔ طبری جلد ۶ صفحہ نمبر ۲۱۷، ۲۱۸، ارشاد ص ۲۲۹۔ شہید انسانیت ص ۲۰۷، ۲۰۸

(۴۸) ۱ جناب عونؑ و محمدؑ میں سے جناب عونؑ جنابِ زینبؑ کے صاحبزادے تھے۔ جب کہ جناب محمدؑ کی والدہ گرامی کا نام حوصاء بنتِ حفصہ بن ثقیف تھا جو قبیلۂ بنی بکر بن وائل سے تھیں۔ جناب عونؑ و محمدؑ دونوں جناب عبداللہ ابن جعفرؑ کے صاحبزادے تھے (شہید انسانیت۔ از علامہ سید علی نقی نقوی۔ ص ۴۲۴۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء)

(۹۵) ۱ عامر ابن نہشل تمیمی، جناب محمد ابن عبداللہ ابن جعفر ابنِ ابی طالبؑ کا قاتل۔ بحوالہ طبری، ج ۶/ ص ۲۵۶/، ارشاد ص ۲۵۳/، ۲۵۲
۲ عبداللہ ابن قیطبہ طائی۔ جناب عون ابنِ عبداللہ ابنِ جعفر ابن ابی طالبؑ کا قاتل (بحوالہ بالا)

(۱۰۸) ۱ آغا سید محمد حسین صاحب مرحوم ابنِ آغا سید محمد مصطفیٰ حسین صاحب لکھنؤ اور کانپور سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑے وضعدار بزرگ اور لکھنؤ کی تہذیب کی منھ بولتی تصویر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی خواہش کے مطابق یہ مرثیہ ان کے دولت کدہ پر، ناظم آباد کراچی پیش کیا گیا تھا۔